تلمیح کوہ طور: فکرِ اقبال کی محرک تخلیق

The Allusion of *Koh-Tūr*: A Dynamic Creation of Iqbal's Philosophy

Muhammad Ameen Meer
Iqbal Institute of Culture & Philosophy, University of Kashmir, Srinagar
meerameenamu@gmail.com

Abstract

The word *talmīh* is used in most literature genres, especially poetry or prose, to present a point or attribute with beauty or intensity. It is a kind of hint through which poets or writers want to convey a broader concept or a contextual background. This is how poets and writers usually resort to *talmīhāt*. While Allāma Iqbal provided quite a unique direction to the literature by his intellectual ideas, he also included the use of *talmīhāt* in his genre of poetry. In this manner, he also provided new beauty, creativity, dimensions, and horizons to the word *Koh-Tūr* (Mount Sinai) used as a *talmīh* in his creativity. Basically, the whole life of *Hazrat* Mūsa (Prophet Moses) has been a guide for Allāma Iqbal. Allāma Iqbal presents it as a metaphor for hope, trials, and challenges. Allāma Iqbāl observes the life of *Hazrat* Mūsa (Prophet Moses) as being mostly dynamic, active and meaningful which in the present age serves as a beautiful message for the Muslim *Ummah* (Muslim Community). This article is an attempt to present and discuss the same thought while exploring the use of *talmīhāt*. Besides this, the above-mentioned *talmīhāt* have been creatively utilized by Allāma Iqbal in his Urdu and Persian poetry collections and have been referred to by the author of this article.

Keywords: Hazrat Mosa (A.s), metaphor, Iqbal, *Ummah*, poetry, Mount Sinai

کلیدی الفاظ: حضرت موسیٰؑ، اقبال، امت مسلمہ، فکری نظریات، دانش، استعارہ

حضرت موسیٰؑ کی پوری زندگی علامہ اقبالؒ کے لیے مشعل راہ رہی ہے۔ ان کی آخری عمر تک اقبال ان کو امید، آزمائشوں اور چیلنج کا استعارہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک ان کی زندگی زیادہ تر متحرک، فعال اور بامعنیٰ نظر آتی ہے نیز عصر حاضر میں امت مسلمہ کے لئے ایک پیغام بھی۔ علامہ اقبال نے تلمیح کوہ طور کو اپنے کلام میں کس انداز فکر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مقالے میں اسی حوالے سے گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے علاوہ مذکورہ تلمیحات کو اقبال نے اردو وفارسی شعری مجموعوں میں جہاں کہیں بھی استعمال کیا ہے انہیں راقم الحروف نے ایک جگہ مع حوالہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

لفظ تلمیح کا استعمال ادب کی اکثر و بیشتر اصناف میں کیا جاتا ہے بالخصوص نظم یا نثر میں کسی نکتے یا کسی وصف کو خوبصورتی یا شدت بیان کے ساتھ پیش کرنے کے لیے شاعر یا ادیب تلمیحات کا سہارا لیتا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی فکری نظریات کے حوالے سے جہاں ادب کو ایک نئے رخ کی طرف موڑ دیا وہیں تلمیحات کے استعمال کو بھی انہوں نے اپنی فکر کا جز بنایا۔ انہوں نے تلمیحات کوہ طور کو بھی اپنی تخلیقی قوت کے ذریعے نیا حسن، نئ زندگی، نئ وسعتیں اور نئ رفعتیں عطا کیں۔

دنیا کی بیشتر زبانوں میں تلمیحات کا کثرت سے استعمال ہوتا رہا ہے لہذا مستعمل تلمیحات کو ادبی ہنر وصنعت کا درجہ بھی حاصل رہا ہے۔ لفظ تلمیح کا استعمال ادب کی اکثر و بیشتر اصناف میں کیا جاتا ہے بالخصوص نظم یا نثر میں کسی نکتے یا کسی وصف کو خوبصورتی یا شدت بیان کے ساتھ پیش

کرنے کے لیے شاعر یا ادیب تلمیحات کا سہارا لیتا ہے۔ اس سے پہلے تلمیح کو وہ طور اور اقبال کے حوالے سے گفتگو کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے تلمیحات کی صنفی خصوصیت کو بیان کر دیا جائے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ ادب میں اس کی کیا حیثیت و معنویت رہی ہے نیز علامہ اقبال نے اپنے کلام میں تلمیح کو وہ طور کو کس انداز فکر سے پیش کیا ہے اس سے بھی آشنائی حاصل ہو گی۔

تلمیح کے لغوی معنی کسی چیز پر سرسری اور اچٹتی نظر ڈالنا یعنی کسی معروف قصے یا واقعے کیطرف اشارہ کرنا۔ علم بدیع کی اصطلاح میں تلمیح ایسے فن کا نام ہے جس کے ذریعے کلام میں کسی خاص آیت، حدیث، واقعے، قصے یا کہانی وغیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ شعر میں مختصر مرکب یا مفرد الفاظ کسی قصے یا واقعے کی طرف اشارہ کے لئے استعمال کرتے ہیں جس سے فوراً واقعے کے کل یا جزو کی طرف ذہن متوجہ ہوتا ہے۔ ان تلمیحات میں ہر دور کے نقوش پیوست ہوتے ہیں جو اپنے اندر قومی، تہذیبی اور تمدنی بازگشت لیے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کوئی شاعر "طوفان نوحؑ یا سفینہ نوحؑ" اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے تو اس سے قاری کا ذہن حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی طرح صبر یوسفؑ، اژدہا موسیٰؑ، اعجاز مسیحا یا دیگر تلمیحات بھی اپنے اندر ایک پوری داستان سموئے ہوئے ہیں۔ یعنی تلمیح کا استعمال مختصر ترین الفاظ میں کسی خاص واقعے کی طرف ایک لطیف سا اشارہ ہوتا ہے جسکی تشریح کے لیے ایک پورا دفتر درکار ہو سکتا ہے اور جو واقعہ کئی صفحات میں بیان ہو سکتا ہے وہ شعر کے صرف ایک مفرد یا مرکب الفاظ میں سمٹ کر کوزے میں سمندر کے مترادف ہو جاتا ہے جس سے گفتگو میں فصاحت و بلاغت پیدا ہو جاتی ہے۔ کلام کی ترسیل بلیغ انداز سے ہوتی ہے۔ نیز کلام کے معنوی پہلو بھی واضح ہوتے ہیں۔ ایسے کلمات سے کلام میں نا صرف خوبصورت اور باوزن ہو جاتا ہے بلکہ مختصر ترین کلمات سے ایک طویل واقعے کا بیان بھی ممکن ہوتا ہے۔ مختصر بیان کے استعمال سے زور بیان کے ساتھ ساتھ تہہ داری اور معنوی گہرائی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز اس عہد کی سماجی، سیاسی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا بھی پتہ چلتا ہے اس کو جانے بغیر نہ تو کلام سمجھ میں آ سکتا ہے اور نہ ہی اس سے لذت سماعی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اسی لیے اسے بلاغت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اردو شعر وادب کی گر بات کی جائے تو اس کی پرداخت چونکہ بڑی حد تک عربی و فارسی کے زیر سایہ ہوئی اس لیے ہمارے کلاسیکی تخلیق کاروں کا مطالعہ فارسی اور کسی حد تک عربی واقعات تک محدود تھا لیکن زمانے کے ساز بدل جانے سے سوز بھی بدل جاتے ہیں تلمیحات کے حوالے سے گر دیکھا جائے تو جیسے جیسے برصغیر میں مغربی تعلیمی رواج پاتی گئی ویسے ویسے اردو کے ادبی نگارشات میں دوسرے ممالک کی تاریخ و ثقافت سے متعلق تلمیحات کے استعمال میں بھی اضافہ ہونے لگا۔

علامہ اقبال کی ذہنی نشو و نما ایسے زمانے پر محیط ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے پر مغرب کی تہذیبی یلغار نے عوام اور علماء کی اکثریت کو یکساں طور پہ متاثر کیا جس نے مسلمانوں کے تمام تر نظریات و افکار اور پالیسیاں بدل کر رکھ دیں۔ ہر دائرہ کار تبدیلی کی نذر ہو گیا ایسے میں شعری و ادبی رجحانات متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ اقبال اردو کے پہلے شاعر تھے جن کی تعلیم مغربی طرز پر ہوئی تھی۔ مشرق و مغرب کے تمام علوم وفنون کا بغور مطالعہ بھی کیا تھا اور مختلف زبانوں سے کماحقہ واقف بھی تھے۔ ان کے وسعت مطالعہ کی بناء پر انکے اشعار میں تلمیحات کا تصرف ہونا ناگزیر تھا جس کے پس منظر میں اہم سیاسی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی سرگرمیوں کے واقعات موجود ہیں۔ اقبال سے قبل شاید ہی کوئی اردو شاعر ایسا گزرا ہو جس نے کوہ طور کی تلمیح کو تاریخ، ثقافت، روایات یا سب سے زیادہ عصر حاضر کے مسلمانوں کو امید افزا پیغام دینے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس لیے بڑے یقین سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ تلمیح جو مختلف تصورات و نظریات میں استعمال ہوئی ہے اس کو سمجھنے کے لیے بھی وسیع مطالعے اور فکر و فن کی نزاکتوں سے واقفیت ضروری ہے۔

اقبال کی نہ صرف تعلیم مغربی طرز تحریر پر ہوئی تھی بلکہ انہیں علوم فنونِ شرق و غرب پہ بھی خاصی دسترس حاصل تھی اسی لیے فکری نظریات کے حوالے سے جہاں ادب کو انہوں نے ایک نئے رخ کی طرف موڑ دیا وہیں تلمیحات کے استعمال کو بھی انہوں نے اپنی فکر کا جز بنایا۔ تلمیح کوہ طور کو اقبال مختلف مقامات پر مختلف النوع پیرایے میں لائے۔ مثلاً آتش طور، آتش موسیٰ، شعلہ ایمن، شعلہ سینا، شعلہ طور، برق ایمن، نور ایمن، وادی ایمن، نور خدا، جلوہ سینا، شجر ایمن، شجر طور، شجر کلیم، نخل سینا۔ یہ تمام تلمیحات دراصل ایک ہی واقعہ پر مشتمل ہیں مذکورہ تلمیحات کو اقبال نے اردو و فارسی شعری مجموعوں میں جہاں کہیں بھی استعمال کیا ہے انہیں راقم الحروف نے ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں پر انہی اشعار کو بیان کیا جائے گا۔ مگر اس تلمیح کے اشعار ذکر کرنے سے قبل اس واقعہ کو ذہن میں رکھا جائے تاکہ شعر فہمی میں آسانی پیدا ہو جائے۔

کوہ طور کا واقعہ

موسیٰ علیہ السلام کی پوری زندگی ہی علامہ اقبالؒ کے لیے مشعل راہ رہی ہے چاہے وہ ان کی ولادت ہو جو ایک معجزہ تھی اس دور میں جب عورتوں کو اپنے شوہر سے مباشرت پر پابندی لگانے کے باوجود انہی راتوں میں حضرت موسیٰؑ کا اپنے باپ کے صلب سے ماں کے رحم میں آنا۔ پھر موسیٰ کی ولادت ہونا اس کے بعد ماں کی ممتا کا امتحان اور اللہ پر اعتماد یعنی حضرت موسیٰؑ کو صندوقچہ میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈالنا پھر بچوں کے قاتل کے گھر میں اسی بچے کی پرورش شہزادہ کی طرح کرانا جس بچے کے ڈر سے انہوں نے تمام بچوں کو قتل کا حکم جاری کیا تھا۔ پھر اسی کے خلاف اسلام کا علم بلند کرنا، حضرت موسیٰ کا مصر سے مدین کی طرف سفر کی واردات، حضرت شعیب کے گھر میں کئی سال رہنا اور شوق دیدار کی تمنا۔ غرض ان کی آخری عمر تک اقبال اس کو امید، آزمائشوں، چیلنج کا استعارہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کے نزدیک ان کی زندگی زیادہ تر متحرک، فعال اور بامعنیٰ نظر آتی ہے نیز عصر حاضر میں امت مسلمہ کے لئے ایک پیغام بھی۔

حضرت موسیٰؑ نے جب حضرت شعیبؑ کے ہاں مدت پوری کی اور پھر حضرت شعیبؑ سے رخصت ہو کر مصر واپسی کا رخت سفر باندھا تو باپ نے بیٹی کو بطور تحفہ چند بکریاں بھی عنایت کیں۔ موسیٰؑ اہلیہ کیساتھ روانہ ہوئے رات کی تاریکی اور سردی کی شدت بہت بڑھ گئی تیز ہواؤں نے باوجود کوشش چراغ نہ جلنے دیا، راستہ پہچاننے میں بھی دشواری ہو رہی تھی کہ ایسے میں دور پہاڑ کی چوٹی پہ آگ جلتی نظر آئی تو حیرت و خوشی سے بیوی سے کہا: تم یہیں رکو! میں وہاں سے کوئی روشنی یا انگارہ وغیرہ لے آتا ہوں تاکہ اس سرد اور اندھیری رات کا کچھ توڑ ہو سکے اور شاید کسی سے راستہ بھی معلوم ہو جائے۔ قولہ تعالیٰ

فَلَمَّا قَضٰى مُوسَى الْاَجَلَ وَسَارَ ----- لَعَلَّكُمْ تَصطَلُونَ (القصص۲۹)

ترجمہ: ”جب موسیٰ طے شدہ مدت مکمل کر چکے اور رات کو اپنے اہل خانہ کو لیکر چلے تو طور کی جانب آگ نظر آئی تو اپنے اہل خانہ سے کہا کہ تم یہیں رکو۔ میں طور کی جانب آگ دیکھ رہا ہوں شاید وہاں سے کوئی پتا لا سکوں یا پھر کوئی انگارہ تاکہ تم گرمائش حاصل کر سکو۔"

پہاڑ پہ پہنچے تو ایک آواز نے انہیں مخاطب کیا اور وہاں ایک سرسبز جھاڑی سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے نظر آئے لیکن آگ کسی چیز کو جلا نہیں رہی تھی، اسی اثناء میں آواز آئی۔ اے موسیٰ! میں ہوں رب العالمین۔ قولہ تعالیٰ

فَلَمَّا اَتٰهَا نُودِيَ مِن شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَن يّٰمُوسٰى اِنِّي اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ (القصص۳۰)

ترجمہ: سو جب وہاں پہنچے تو وادی کے دائیں جانب ایک بابرکت مقام پر ایک جھاڑی سے آواز آئی کہ موسیٰ میں تمام جہانوں کا پروردگار ہوں۔

کوہ طور کے واقعے کے حوالے سے حضرت موسیٰؑ کی لکنت اور بھائی ہارونؑ کا واقعہ بھی آپ کو ذہن میں رہنا چاہیے عہد طفولیت میں فرعون کے گھر پہ موسی علیہ السلام کی زبان کچھ جل گئی تھی جسکی بناء پر آپ صاف گفتگو نہیں کر سکتے تھے اور جب آپ کو نبی بنایا گیا تو اسی لیے آپ نے اپنی زبان کی بابت اللہ سے دعا کی کہ میرے رب! مجھے شرح صدر عطا فرما اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے، اس کے ذریعے میری کمر مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شامل کر تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح بیان کر سکیں اور زیادہ سے زیادہ تیرا ذکر کر سکیں۔ علامہ اقبال بھی اپنے کلام میں کئی جگہوں پر ایسی فریاد اور اپنے ہم خیال یا ہم خیالوں کے لیے اللہ کے حضور درخواست کرتے نظر آتے ہیں۔ جیسے اسی تلمیح کے پس منظر میں اپنی شاعری کو یوں پیش کرتے ہیں۔

در جہاں یارب ندیم من کجا است
نخل سینا یم کلیم من کجا است

ترجمہ: (یارب!) دنیا میں میرا ہم خیال کہاں ہے، میں کوہ طور کا نخل ہوں، میرا کلیم کہاں ہے۔ مطلب یہ کہ انہیں ایسے ساتھی میسر آجائیں جو ان کے درد کو سمجھ سکیں۔ ان کی شاعری کی روح سے آگاہ ہو کر ملت کو اس کی صحیح تعبیر بتائیں۔ ںشاید اس طرح وہ ملت کی بیداری کا خواب پورا ہوتا دیکھ لیں۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک ان دونوں کو زبردست دلیلیں اور کامل حجتیں دے کر جس طرح فرعون کے پاس بھیجا گیا اور یہ وعدہ کر کے کہ فرعون اگرچہ طاقتور حکمران ہے لیکن وہ انہیں کوئی ایذاء نہیں دے سکتے اور اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ اپنے بندوں کی حفاظت میں خود کرتا ہوں ان کی نصرت و تائید کرتا ہوں۔ یہ وعدۂ الٰہی اب بھی ویسے ہی قائم ہے لیکن عصر حاضر میں امت مسلمہ عشق حقیقی کے جذبے سے محروم ہے، جلوہ طور تو اب بھی وہیں ہے مگر کوئی موسی، کوئی سائل تو ہو!۔ اللہ تعالیٰ خود رحمتیں اور برکتیں نازل کرنا چاہتا ہے لیکن مسلمان خود مایوس کن بیٹھا ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدے برحق ہیں مگر ان انعامات کو پانے کی خاطر محنت کرنی پڑتی ہے اللہ کے ہاں کوئی اقربا پروری نہیں کہ وہ بغیر جدوجہد کے پلیٹ میں رکھ کے ہر چیز پیش کرتا رہے اور ہم اس سے غافل بلکہ اسکے باغی ہو کر ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ اللہ نے مسلمان کو اس دنیا میں ایک مقصد و مشن دیکر بھیجا ہے جس پر سارے وعدے و انعام ہیں، وہ بجا لائے گا تو انکا حقدار ٹھہرے گا ورنہ دو جہان میں ذلت و رسوائی کا شکار رہے گا۔ ہم نے محنت چھوڑ دی اور اغیار نے شروع کر دی تو اسکے پھل بھی اللہ ان کو دینے لگا۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا خدا پر یقین کمزور ہو گیا ہے اور جس چیز پر یقین واثق حاصل ہوتا ہے اسکا حصول عشق بن جاتا ہے اور انسان کو دیوانوں کیطرح کوشش کرنے پہ مجبور کر دیتا ہے اب چاہے اسکے لیے اہل خانہ کو سرد تاریک رات میں اکیلا چھوڑ کر طور سر کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ خدا کی ہستی وہی ہے اسکی عطا و سخا بھی جاری ہے اسکے وعدے بھی سچے ہیں مگر ہم میں وہ موسی والی طلب اور تڑپ ہی نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مفت میں بیٹھے بٹھائے سب مل جائے۔ جواب شکوہ کے ان اشعار کو ذرا ملاحظہ فرمائیں،

کیا کہا! بہر مسلماں ہے فقط وعدہ حور
شکوہ بے جا بھی کرے کوئی لازم ہے شعور

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوہ طور تو موجود ہے موسی ہی نہیں۲

خرد گفت"او بچشم اندر نگنج
نگاہِ شوق در امید و بیم است
نمی گردد کہن افسانہ طور
کہ در ہر دل تمنائے کلیم است۳

ترجمہ: عقل نے کہا "وہ ذات باری نگاہوں یا آنکھوں میں نہیں سماتی" اس کی اس بات پر نگاہ عشق و شوق امید و یاس کا شکار ہو گئی ہے۔ طور سینا کا واقعہ کبھی پرانا نہیں ہوتا (اور نہ کبھی ہو گا) اس لیے کہ ہر دل میں کلیم کی تمنا ہے۔

آنکھ تو رب ذوالجلال کو نہیں پا سکتی مگر دل لوح خدا ہے جس دل میں رب سمایا ہو وہ آنکھ دیدار کا اشتیاق رکھتی ہے جنہوں نے معرفت خداوندی کا جام پی لیا ہے وہ شوق ملاقات میں گھڑیاں کاٹ رہے ہیں معرفت حق مل جائے تو ذوق موسی خود بخود پیدا ہو ہی جاتا ہے۔

یا جب حضرت موسیؑ لاٹھی دیکھ کر سہم گئے تھے اور سخت خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ نے پکارا: ڈرو نہیں موسیٰ! تم میری حفاظت میں ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل سے سارا خوف زائل ہو گیا اور وہ اطمینان سے واپس آئے۔ قولہ تعالیٰ

وَاَن اَلقِ عَصَاکَ فَلَمَّا رَاٰھَا تَھتَزُّ کَاَنَّھَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدبِرًا وَّلَم یُعَقِّب یٰمُوسٰٓی اَقبِل وَلَا تَخَف اِنَّکَ مِنَ الاٰمِنِینَ

ترجمہ: اور یہ کہ اپنا عصا ڈال دو۔ پھر جب موسی نے دیکھا کہ یہ تو ہلنے لگا جیسے کہ سانپ ہو، تو وہ الٹے پیر بھاگے اور پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ (اللہ نے آواز دی) موسیٰ واپس آجاؤ اور خوفزدہ نہیں ہو تم مامون لوگوں میں سے ہو {القصص ۳۱}

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ "لا تخف"۴

اگر موسی جیسا جذبہ و جگر ہو حق کی جستجو کا، روشنی کی تلاش کا، تو خدا خود ایسے بندوں کی حفاظت و نصرت کرتا ہے، خود اپنی تجلیات دکھا دکھا کر انکی رہنمائی کرتا ہے، انکے دل تھام کے رکھتا ہے انکو اپنی قدرت کے کرشمات سے تقویت دیتا ہے بس موسی جیسا جگر اور جستجو اسکی شرط اول ہے۔

خود تجلی کو تمنا جن کی نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا امید نور ایمن ہوگئی ۵

حضرت موسیؑ نے تاج رسالت سے اور وحی ربانی سے سرفراز ہو کر بامر الہی مصر کا رخ کیا وہاں فرعون اور اسکی قوم کو توحید باللہ اور اپنی پیغمبری کے اعلان کیساتھ اللہ کے عطا کردہ معجزات بھی دکھائے۔ فرعون اور اسکے حواریوں سمیت سب کو یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں مگر غرور و تکبر، طاقت چھن جانے اور عیاشیاں ختم ہو جانے کے ڈر نے انہیں حق قبول کرنے سے روک دیا بلکہ موسی کے خلاف جادوگر ہونے کا جھوٹا پروپیگنڈا کرنے لگے۔ قولہ تعالیٰ

فلما جائهم موسیٰ بٰایٰتنا بینٰت قالوا ما ھذا الا سحر مفتری و ما سمعنا بھذا فی ابائنا الاولین۔(القصص۳۶)

ترجمہ: اور جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری واضح نشانیوں کیساتھ ذئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جو اُس نے خود گھڑا ہے اور ہم نے ایسا کچھ بھی اپنے آباؤاجداد سے کبھی نہ سنا۔

سو فرعون اور اسکے حواریوں نے اپنی طاقت اور وسائل کا بھرپور استعمال کیا اور انبیاء اللہ کے خلاف ڈٹ گئے، دراصل عصر حاضر میں دنیا کو اللہ کا یہی پیغام دینے کی ضرورت آج بھی ہے کہ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں اور نہ اس کے علاوہ کوئی پالنے والا ہے۔ اس جیسا کوئی ہو نہیں سکتا، وہ یکتا اور بے مثل ہے، وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے افعال و اقوال، اس کی ذات و صفات میں اس کا کوئی ساجھی ساتھی یا شریک نہیں۔ وہ ہر عیب و خامی سے پاک کامل ہستی ہے اور کوئی چیز اسکا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔

یہ مختلف واقعات اس تلمیح کے پس منظر میں پیش کئے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اس تلمیح کو اپنی شاعری میں کس طرح مختلف صورتوں، رنگوں، تصورات و نظریات میں استعمال کیا ہے وہ ان اشعار سے ظاہر ہے۔ مثلاً اپنے شدید جذبے کو برق ایمن سے تشبیہ دیتے ہوئے اپنی نظم رات اور شاعر میں کہتے ہیں:

برق ایمن مرے سینے پہ پڑی روتی ہے
دیکھنے والی ہے جو آنکھ، کہاں سوتی ہے[6]

یعنی جو آگ میرے دل میں جل رہی ہے وہ کوئی اور نہیں دیکھ اور سمجھ سکتا جنکے دلوں میں عشق و معرفت کی چنگاریاں بجھی پڑی ہیں وہ میرے اضطراب کا اندازہ تک نہیں لگا سکتے وہ چین سے سوتے ہیں گویا میں وہ طور ہوں جو عشق کی آگ میں جل رہا ہے کاش کوئی موسی روشنی و رہنمائی کی تلاش میں اسے دریافت کرلے اور یہ آگ اسکے سینے کو بھی روشن کردے اور انسانیت کو غلامی کے کرب سے چھٹکارا دلا سکے۔

ایک جگہ جدوجہد اور تحقیق اور صحیح علم کے حصول کے لئے فرمایا:

خیمہ زن ہو وادی سینا میں مانند کلیم
شعلۂ تحقیق کو غارت گر کاشانہ کرے

جیسے موسی طور پر خیمہ زن ہو کے بیٹھ گئے تھے بلکہ طور کیطرف دوڑے چلے گئے خدا نے پوچھا: موسی! اتنی جلدی آخر کیا تھی کہ بھاگ کر آئے ہو؟ کہا: یارب تیرا شوق بھگالایا ہے اور پھر چالیس دن وہاں زانوئے تلمذ طے کیے۔ وجود حق کا یقین ان میں وہ شوقِ دیدار پیدا کر گیا کہ فرمائش ہی کرڈالی۔ اقبال ایقانِ موسی کو زندہ کرنا چاہ رہے کہ جو کچھ اس سے حاصل ہو گا وہ تحقیق کی پرپیچ وادیوں سے گزر کر بھی نہیں ملے گا۔ وجود حق کے عشق و یقین کیساتھ تحقیق کے سمندر میں غوطہ زنی ایک بالکل مختلف تجربہ ہے فطری جستجو انسان کو دوڑائے پھرتی ہے مگر معرفت ربانی کیساتھ جو جواہر بے پایاں حاصل ہوتے ہیں تحقیق محض کے شہسوار وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ذوق دیدار اور عشق الٰہی کا ذکر کہ جب حضرت موسیٰ نہایت عشق و شوق میں پکار اٹھے کہ قال رب ارنی انظر الیك ----- موسی صعقا (الاعراف ۱۴۳) اے رب مجھے اپنا آپ دکھا تا کہ میں تجھے دیکھوں۔ پروردگار نے فرمایا تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں پہاڑ کی جانب دیکھو اگر وہ اپنی جگہ کھڑا رہا تب تو دیکھ لوگے، جب اسکے رب نے پہاڑ پر اپنا جلوہ ڈالا تو (تجلی انوار ربانی) اس کو ریزہ ریزہ کردیا اور موسی بے ہوش ہو کے گر گئے۔ یہ چند اشعار اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

کھینچے خود بخود جانب طور موسی
کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی ۸

یعنی طور کیطرف موسیٰ کو کسی نے بھیجا نہیں تھا بلکہ جستجوئے ربانی انکو خود ادھر کھینچ کے لے گئی تھی جب معرفت حقیقت حاصل ہو جائے تو وہ انسان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی اور ہر وہ طور جہاں انسان کو روشنی نظر آتی ہے اسکی جانب کھنچا چلا جاتا ہے۔

دید سے تسکین پاتا ہے دل مہجور بھی
لن ترانی" کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طور بھی ۹

ہجر میں دل بسمل کی تسکین کی واحد چیز مطلوب کامل جاناہے اور ادراک حقیقت انسان میں وہ جرات و اعتماد پیدا کرتا ہے کہ ذات حق سے کم پر راضی نہیں ہونا گوارا نہیں ہوتا۔ یہ صرف موسی کی تمنا نہیں تھی بلکہ طور بھی کب سے منتظر تھا کہ صد شکر کوئی کلیم آیا ہے یہاں جو میرے شوق دیدار کو بھی زبان دے رہا ہے۔

اڑ بیٹھے کیا سمجھ کر بھلا طور پر کلیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی۱۰

کچھ دکھانے اور دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیونکر ہوا ۔۱۱

موسی کو مخلوق کی کم مائیگی کا ادراک تھا مگر اتنی بڑی گستاخی کی جرات خود رب نے ہی انکو بخشی تھی پہلے جلوہ دکھا کر طور تک کھینچا پھر ہم کلام ہو کر شوق پیدا کیا کہ آخر موسی نے دیدار یار کی فرمائش کر ہی ڈالی۔ یہ فیصلہ اپنی طرف دیکھ کے نہیں ہوا تھا اسی جرات رندانہ تک خدا خود انسان کو لانا چاہتا ہے خدا نے خود کو غیب میں رکھ کر بھی عیاں رکھا ہے آفاق کی ہر ہر چیز میں اسکی جلوہ گری ہے جو انسان کے شوق کو جلا دیتی ہے کہ میری جھلک ہر چیز میں پاؤ اور میرے عشق میں کھنچے چلے آؤ کہ منتہائے عشق دیدار یار ہی تو ہے۔

"ارنی" میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
یہ حدیث کلیم و طور نہیں ۱۲

فرماتے ہیں کہ ارنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر موسی جیسی طلب و جستجو ہے نہ ہی طور جتنی ہمت و حوصلہ اگر شق صدر جھیلنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے تو ہی حق جلوہ نما ہوتا ہے۔

ہمالہ کو صاحب بصیرت، خدا کی قدرت کا نشان کہا ہے جس طرح سے کوہ طور سے جلوہ خدا نظر آیا تھا اسی طرح کوہ ہمالہ بھی عظمت ربانی کا ایک مظہر ہے دراصل فطرت شناسی سے خدا شناسی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے۱۳

ایک جلوہ موسیٰ کے لیے تھا مگر اسکا یہ مطلب نہیں موسیٰ کے علاوہ کوئی معرفت ربانی نہیں پا سکتا۔ دیکھنے والی آنکھ ہو تو سارا جہان ہی تجلیات خداوندی کا مظہر ہے۔

نالۂ فراق نظم کے اس شعر میں آرنالڈ کو علم و حکمت کا علم بردار قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

تو کہاں ہے اے کلیم ذروۂ سینائے علم
تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم ۱۴

موسیٰ اور جستجوئے علم کو جدا نہیں کر سکتے۔ تمام عمر آپ اسی شوق سفر نے سرگرداں رکھا آپ کے ذوق و جستجو نے علم و حقائق کے نئے در کھولے اور علم کو موسیٰ کی وجہ سے مزید کمال حاصل ہوا۔ اب بھی وہی لگن کسی کے اندر بھی پیدا ہو جائے تو وہ بذات خود علم و آگہی کا تعارف بن سکتا ہے۔
عصر حاضر کے مسلمانوں کی عکاسی کے حوالے سے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں کہ:

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طور سے
اے کہ تیرے نقش پا سے وادیٔ سینا چمن
آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
ہوگیا آنکھوں سے پنہاں کیوں ترا سوز کہن
تھا جواب صاحب سینا کہ مسلم ہے اگر
چھوڑ کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن ۱۵

ایک موسیٰ نے صحرائے سینا کو لالہ زار بنا دیا مگر دنیا میں ظلم و جور کی آگ ابھی بھی بھڑک رہی ہے اور خصوصاً مسلمان ہی اس آگ میں جل رہے ہیں وہ پر درد جگر اور ضرب کلیم کدھر گئی کہ ہم سے کوئی فرعون زیر نہیں ہو رہا۔ تو جواباً موسیٰ نے کہا: کہ مادیت پرستی کے نشے نے ہمیں اندھا اور ناکارہ کر دیا ہے وہ تیغ ایقان کند ہو چکی ہے جس سے فرعون زیر ہوا کرتے تھے۔ لیکن آج بھی اگر مادہ پرستی سے نکل کر حق کی جستجو کریں تو ظلم و جور کی سیاہ رات چھٹ سکتی ہے۔

گل رنگین نظم میں شاعر اور گل کا تقابلی مطالعہ کر کے فرماتے ہیں کہ اگرچہ عشق حقیقی سے دونوں دور ہیں لیکن ایک انسان تلاش و جستجو میں بے قرار ہے۔ بقول اقبال

سو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستور ہے
میری صورت تو بھی اک برگ ریاض طور ہے
میں چمن سے دور ہوں تو بھی چمن سے دور ہے
زخمی شمشیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں
مطمئن ہے تو، پریشاں مثل بو رہتا ہوں میں ۱۶

اقبال اور پھول دونوں کو ادراک حقیقت ہے اور دونوں کے سینے میں اسرار ہیں پھول میں مشک اور شاعر میں آگہی کی صورت۔ پھول کو اس بات سے غرض نہیں کہ اسکی خوشبو سارے عالم میں پھیل جائے مگر عرفان ذات نے اقبال کے سارے قفل توڑ دیے اور میں اپنی تمام تر کمزوریوں کے

باوجود، اپنے ٹوٹے پروں کیساتھ پرواز بھر رہاہوں اور چہار دانگ عالم اس اضطراب اور پیغام کو لیکر لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کر رہاہوں۔

پروانے میں حضرت موسیٰ کا ساجوش ہے۔

کچھ اس میں جوش عاشق حسن قدیم ہے
چھوٹا سا طور تو یہ ذرا سا کلیم ہے١٧

پروانے جتنی حقیر اور کمزور مخلوق بھی ادراک نور رکھتی ہے اور اسکو پالینے کی چاہت اسے طواف چراغ پہ مجبور کیے رکھتی ہے۔ اپنے عشق میں وہ اپنی کمزوری کو بھول کر اپنی جان داؤ پہ لگا دیتا ہے۔ انسان تو اسکے مقابلے میں بہت ارفع چیز ہے جو حقیقت پروانے کو سمجھ آگئی ہے اسکا شعور آدمی پا لے تو بلا خوف وخطر حق کی خاطر جان داؤ پہ لگا دے۔

وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
زیب درخت طور مرا آشیانہ تھا ١٨

مرادیہ ہے اس قید خانۂ دنیا میں پھنسنے سے قبل طور کے درخت کی زینت میرا گھر تھا یعنی میں خدا کے اسقدر قریب تھا اسکو شعور ذات حاصل تھا مگر خدا کے پڑوس سے یہاں آکے پھنس گیاہوں اس بے مایہ دنیا کی خاطر رب سے دور ہو کے رہنا پڑ گیا ہے۔

قرطبہ کی زمین جو علم وحکمت اور علوم وفنون سے لبریز تھی۔ اقبال کے نزدیک اہل یورپ نے مثل شمع طور اس سے استفادہ کیا۔

ہے زمین قرطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور
ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور١٩

اندلس مسلم دانش کا استعارہ ہے۔ مغرب کے تاریک ادوار میں یہ روشنی کا وہ مینارہ تھا جس نے سارے عالم کو دنگ کر رکھا تھا مسلمانوں نے خون جگر سے اس چراغ کو جلایا تھا اور سارا جہان شوق وجستجو میں اسکی طرف لپکتا تھا پروانے وہ روشنی پانے کی خاطر اسکا طواف کرتے تھے۔ یہ وہ آفتاب تھا جو تمام سیاروں کا مرکز بن گیا تھا۔

ہر دل مے خیال کی مستی سے چور ہے
کچھ اور آجکل کے کلیموں کا طور ہے ٢٠

فرماتے ہیں کہ انسانی فطرت میں مادۂ جستجو اور طلب حق کی پیاس رکھی انسان اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا اور یہ پیاس اسے دوڑاتی تھکاتی بھی ہے اگر انسان اپنے ارادۂ واختیار سے جام حق کیساتھ اپنی پیاس نہیں بجھاتا تو اس جہان رنگ وبو میں ہزار طرح کی مے رکھی ہے جو اسکو مدہوش بنا کے حقیقت سے غافل رکھے گی۔ عصر حاضر نے جام حق چھین کر شراب باطل کی لت لگادی ہے اور آدمی انہی مے خانوں کا بادہ خوار ہو کے رہ گیا ہے اس مے کے نشے میں چور اسکو سفر طور بہت دور ودشوار لگتا ہے۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے ٢١

معرفت محبت پیدا کرتی ہے۔ محبت ربانی کا شعلہ جل اٹھے تو دل مصفیٰ و مزکیٰ ہو کر مرکز انوار و تجلیات بن جاتا ہے بصیرت پیدا ہوتی ہے اور مومن کی خدا کا نور مومن کی فراست بن جاتی ہے۔ ذرا سی تجلی الٰہی نظر آنے کی دیر ہے پھر آدمی ہر طور سر کر لیتا ہے اور اسکی بڑی تمنا بس واصلِ حق ہونا بن جاتی ہے۔

حضرت بلال جو عاشق رسول ﷺ تھے انکے حوالے سے یہ شعر کہ

تجھے نظارے کا مثل کلیم سودا تھا
اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا ۲۲

بلال کی داستان عشق و آگہی نے صحرا کو عشوۂ طور عطا کر دیا تھا۔ سینا سے طور فاراں میں منتقل ہوا کہ یہ پروانوں کا مسکن تھا کتنے ہی پروانے اس نور ازل میں جل گئے اور کتنوں کے خون جگر نے اس صحرائے بے آب و گیاہ کو سینچا۔ شہر طیبہ قیامت تک انسانیت کے لیے طور فاراں ٹھہرا اور کتنے ہی موسی یہاں جنم لیے۔

لباس نور میں مشہور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں۲۳

چراغ کو یہ ناز ہے کہ پروانے اس سے نور پاتے ہیں یہ فخر آدمی بھی بدرجہائے اولیٰ کما سکتا ہے مگر اسکے لیے جستجو شرط ہے۔

مگر آتی ہے نسیم چمن طور کبھی
سمت گردوں سے ہوائے نفس حور کبھی ۲۴

باغیچۂ طور سے شعور کے جو در وا ہوتے ہیں ان سے آنے والی بوئے آگہی کبھی کبھی رخِ دل سے ٹکراتی ہے عالم حقائق کے طاقچوں پہ دھرے چراغ بصیرت کبھی کبھی جل اٹھتے ہیں اور آدمی کا شوق طلب بیدار ہو جاتا ہے۔

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز
لے اڑا بلبل بے پر کو مذاق پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے ۲۵

امت محمدیہ ﷺ اسوقت سخت مضطرب ہے سخت طوفان کے تھپیڑوں نے اسے کہاں سے کہاں لا پٹخا ہے طور تو کہیں او جھل ہو گیا اور ہم زمانے کی بھول بھلیاں کی نظر ہو گئے مگر چند شعلہ نفسوں نے اس بجھی چنگاری کو ہوا دی ہے اور ہم نے اپنے گھوڑوں کا رخ پھر سے حجاز کی جانب موڑا ہے ٹوٹے پروں کیساتھ بلبل نے طیبہ کی اڑان بھری ہے باغ محمدی ﷺ کی ہر کلی کھلنے کو بے تاب ہے بس ذرا سی ہمت، ذرا سا حوصلہ، جد و جہد اور، کہ

اس رات کا سینہ شق ہونے کو دیر نہیں۔ اس تشنہ ساز میں گیت مچل رہے ہیں جو مشاق ہاتھوں کے منتظر ہیں طور تجلی الٰہی کے شوق میں ریزہ ریزہ ہونے کو پھر سے تیار ہے کہ میں جلوۂ حق سے بہرمند ہو جاؤں چاہے پھر اپنی جگہ ٹھہر نہ سکوں۔

لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
گرما کے مثل صاعقہ طور ہو گیا ۲۶

فقیہ شہر کا فہم و ظرف اتنا وسیع و عمیق نہ ہوا تھا کہ جیسے ہی اپنے فہم سے بڑی اور مختلف بات سنی۔ ظرف کا پیمانہ لبریز ہوا اور سیماب پا ہو کے دھماکے کی صورت پھٹ گیا۔ کم ظرفی کم فہمی کا نتیجہ ہے اور یہ آدمی کا کردار گرا کر اپنا ہی نقصان کراتی ہے۔ تو اپنی ہستی یا اپنے وجود سے طور سینا والا شعلہ پیدا کرے

کب تلک طور پہ دریوزہ مثل کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کرے ۲۷

یعنی اپنے آپ پہ محنت کر کے اپنا تزکیہ دل یوں کر کہ تیرا دل تجلیات انوار ٹھہرے روشنی تیری ذات سے پھوٹے تو انسانیت کے لیے مینارہ نور و طور بنے۔ کب تک موسی کی تلاش اور کاسۂ لیسی؟! رب کائنات نے ہر انسان میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ اس کمال کو پا سکے اسی لیے تو اسے اپنی نیابت کے رتبے سے سرفراز کیا ہے۔

اگلے شعر میں اہل فکر اور اہل ذکر کے مابین فرق کو واضح کیا ہے۔ اہل ذکر عشق حق سے سرشار ہو کر وقت کے فرعون سے ٹکرا جاتے ہیں جبکہ عقل و خرد والے فلسفوں میں ہی الجھے چاندماریاں کرتے رہ جاتے ہیں۔ بقول اقبال ۲۸

معجزہ اہل فکر فلسفہ پیچ پیچ
معجزہ اہل ذکر موسیٰ و فرعوں و طور

نہ ختم ہونے والے جذبۂ عشق کا بیان:

ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے ۲۹

زندگی حرکت مسلسل کا نام ہے اور یہ آخری سانس تک کا کھیل ہے اگر انسان ایک ہی مرحلے پہ قناعت کر کے بیٹھ رہے تو یہ موت کے مترادف ہے اسی لیے خدا نے انسان کے اندر وہ مادہ رکھا جو اسکو مسلسل تحریک دیتا رہتا ہے وہ ایک بعد دوسرے جہان کی جستجو کرنے لگتا ہے اگر یہ جستجو حق اور خیر کی ہو تو فبہا۔ دعا ہے کہ یہ پیاس کبھی نہ بجھے یہ آگ کبھی سرد نہ ہو یہ لگن کبھی نہ مرے یہ طوفان عشق کبھی نہ ٹھہرے۔ کیونکہ یہ علامتِ زندگی ہے اور خدائے زندہ، زندوں کا خدا ہے۔

عصر حاضر کے مسلمانوں میں وہ صاحب نظر نہیں ورنہ کئی چراغ روشن ہیں سر راہ مگر جستجوئے راہ نوردی جیسے بے جان ہو چکی ہے کسی کو شوق سفر ہی نہیں ورنہ راہبر تو کئی بیٹھے ہیں مشعل حق ہاتھ میں لیے۔ اسے اقبال کا نوحہ کہیں یا مایوسی مگر حقیقت یہ ہے کہ رات مزید گہری ہو چکی اور تمنائے صبح جیسے مردہ ہو چکی۔

خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ
تُو شعلۂ سینائی، مَیں شعلۂ سینائی!۳۰

جبکہ کچھ مرغ بسمل ہیں جو تڑپ رہے ہیں رات کی سولی پہ اور منتظر ہیں کہ کوئی تو صبح روشن اس عذاب جاں سے چھٹکارا دلائے۔ انسانیت مضطرب و منتظر ہے پھر سے مسیحائی کی، پھر سے اسی نسخۂ اکسیر کی جو مردہ تنوں میں نئی روح پھونک دے۔ موسی تو بادیہ نشین ہے مگر صحرائے سینا و وادئ فاراں ہی دو لخت ہو چکے ہیں۔

دل طور سینا و فاراں دو نیم
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم ۳۱

مدینۃ الزھرا میں عبد الرحمان اوّل نے کھجور کا درخت بویا تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔

اپنی وادی سے دور ہوں میں
میرے لیے نخل طور ہے تو ۳۲

صحرا میں فطرت آشکار ہے۔

درن شب ہا خروش صبح فرداست
کہ روشن از تجلیہای سیناست۳۳

ترجمہ:(صحرا) کے راتوں میں بھی آنے والی صبح کا شور ہے اس لیے کہ وہ سینا کی تجلیوں سے روشن ہے۔

یہ شعر جس میں اپنے کلام اور فکر کی گہرائی کا بیان کرتے ہیں کہ میرے کلام کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ جو وسیع فہم و شعور کا مالک بھی ہو اور صاحب ہمت و جذبہ بھی:

پنجہ کن با بجرم از صحراستی
برق من در گیر اگر سیناستی۳۴

ترجمہ: اگر تو صحرا ہے تو پھر میرے سمندر سے پنجہ آزمائی کر، میری بجلی سے خود کو روشن کر لے اگر تو کوہ طور سینا ہے۔

اس شعر کا انداز بیان دیکھیے کہ دست سوال دراز کرنے سے انسان اپنی خودی سے محروم ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

از سوال آشفتہ اجزاے خودی
بے تجلی نخل سینائے خودی۳۵

ترجمہ: سوال کی وجہ سے خودی مجروح ہو کے رہ جاتی ہے یوں خودی یعنی طور سینا کا درخت تجلی سے محروم رہ جاتا ہے۔

یا یہ شعر کہ جس میں شاعر نے اپنی دل کو ایسی جگہ سے تعبیر کیا ہے جہاں حسن اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔

سینہٗ شاعر تجلی راز حسن
خیزد از سینائی او انوار حسن۳۶

ترجمہ: شاعر کا سینہ حسن کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کے طور سینا سے حسن کے جلوے پھوٹتے ہیں۔

اس شعر میں دیکھئے کہ نیابت الہٰی حاصل کرنے والوں کے پیروکار اس کے نقش قدم پر نور ہدایت سے منور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

جلوہ ہا خیزد ز نقش پائے او

صد کلیم آوارۂ سینائے او ۳۷

ترجمہ: اس کے پاؤں کے نقش سے کئی جلوے پھوٹتے ہیں۔ سینکڑوں کلیم اس کے طور سینا پر گھومنے پھرنے والے ہیں۔

موسی کے عشق کا حال یہ تھا کہ:

موسی بیگانہ، سینائے عشق

بے خبر از عشق و از سودائے عشق۳۸

ترجمہ: وہاں ایک ایسے موسیٰ تھے جو عشق کے طور سینا سے بے خبر تھے۔ وہ عشق سے اور عشق کے جنون سے بے خبر تھے۔

اس شعر میں تشبیہات ملاحظہ فرمائیں جس میں ملت کو طور سینا سے اور دلوں کی یک رنگی کو جلوہ ایزدی سے تشبیہ دی ہے۔

ملت از یک رنگی دلہا ستے

روشن از یک جلوہ ایں سینا ستے ۳۹

ترجمہ: ملت کا وجود دلوں کی باہمی یکسانیت سے ہے، اور یہ طور سینا ایک ہی جلوے سے روشن ہے۔

آں "امن الناس(ا)" بر مولائے ما

آں کلیم اولِ سینائے ما۴۰

ترجمہ: وہ جو ہمارے آقا ﷺ پر سب لوگوں سے پہلے ایمان لائے اور وہ جو ہمارے طور سینا کے پہلے کلیم ہیں۔ (حضرت ابو بکر صدیق کے متعلق)

زندہ حق از جلوۂ سینائے تست

مرگ من اندر ید بیضائے تست ۴۱

ترجمہ: ترے جلوہ سینا کی بناء پر حق زندہ ہے اور میری صورت تیرے ید بیضا کے اندر ہے۔

خوش بیا صبح مراد آوردہ ای

ہر شجر را نخل سینا کردہ ای۴۲

ترجمہ: اے سورج! میں تیرا (خیر مقدم کرتا ہوں) یا تیرا طلوع ہونا با مسرت ہے، تو نے ہر درخت کو کوہ سینا کا نخل بنا دیا ہے۔

خشت و سنگ از فیض تو دارائے دل

روشن از گفتار تو سینائے دل ۴۳

ترجمہ: اینٹ اور پتھر یعنی ذوق جستجو سے لوگ تیرے فیض سے اہل دل بن گئے۔ تیری گفتار (شاعری) سے دلوں کا طور سینا روشن ہو گیا۔ (یعنی دل خدا کے تجلی کے قابل ہو گئے۔)

با حضورش ذرہ ہا مانند طور
بے حضور او نہ نور و نے ظہور ۴۴

ترجمہ: اس کی حضوری سے ذرے طور کے مانند ہوگئے۔ آپ کی حضوری کے بغیر نہ تو کوئی نور تھا اور نہ کوئی ظہور تھا۔

نارہا پوشیدہ اندر نور اوست
جلوہ ہائے کائنات از طور اوست ۴۵

ترجمہ: اس (خودی) کے نور کے اندر نار (آگ) چھپی ہوئی ہے۔ کائنات کے سارے جلوے اسی طور کی تجلیات کے ہے۔ (یعنی خودی کے نور کی تجلیات طور کی طرح ساری کائنات میں ہیں۔)

گرچہ از طور و کلیم است بیان واعظ
تاب آں جلوہ با آئینۂ گفتارش نیست ۴۶

ترجمہ: گرچہ واعظ کا بیان کوہ طور اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے واقعے سے متعلق ہے۔ لیکن اس کے اس وعظ کے آئینے میں بجلی کی کوئی چمک نہیں ہے

جلوہ می خواست مانند کلیم ناصبور
تا ضمیر مستنیر او کشود اسرار نور
خلوت او در زغال تیرہ فام اندر مغاک
جلوہ تش سوزد درختے را چو خس بالائے طور ۴۷

ترجمہ: وہ موسیٰ کی طرح تجلی کے لئے بیتاب تھا۔ یہاں تک کہ اس کے روشن دل نے نور کے اسرار کھول دیئے۔ روشنی کی خلوت کان میں پڑے ہوئے سیاہ رنگ کوئلے میں (بصورت ہیرا) ہے اس کی جلوت طور پر (اُگے ہوئے) درخت کو خس کی مانند جلا دیتی ہے۔

حوالہ جات

۱ کلیات اقبال (فارسی) لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۲ ص ۷۰
۲ کلیات اقبال (اردو) دہلی: کتابی دنیا (۲۰۰۶ء) ص ۲۸۲
۳ کلیات اقبال (فارسی) لاہور حصہ پیام مشرق: ص ۲۰۸
۴ کلیات اقبال (اردو) دہلی حصہ بال جبریل دہلی ص ۴۷۰
۵ کلیات اقبال (اردو) دہلی حصہ بانگ درا ص ۴۶۲
۶ ایضا ص ۲۴۴
۷ ایضا ص ۸۶۲
۸ ایضا ص ۷۳۱
۹ ایضا ص ۵۸
۱۰ ایضا ص ۱۴۳
۱۱ ایضا ص ۱۴۰

۱۲ کلیات اقبال (اردو) دہلی حصہ بال جبریل ص ۴۷۵

۱۳ کلیات اقبال (اردو) دہلی حصہ بانگ دراص ۴۳۷

۱۴ ایضا ص ۸۰۱

۱۵ ایضا ص ۹۳۳

۱۶ ایضا ص ۴۰

۱۷ ایضا ص ۸۵

۱۸ ایضا ص ۶۳

۱۹ ایضا ص ۶۰۲

۲۰ ایضا ص ۲۷

۲۱ ایضا ص ۴۰۱

۲۲ ایضا ص ۳۴۰

۲۳ ایضا ص ۸۲۱

۲۴ ایضا ص ۹۷۱

۲۵ ایضا ص ۱۳۲

۲۶ ایضا ص ۱۳۲

۲۷ ایضا ص ۳۰۳

۲۸ کلیات اقبال (اردو) دہلی حصہ ضرب کلیم ص ۶۹۳

۲۹ ایضا ص ۸۸۶

۳۰ کلیات اقبال (اردو) دہلی حصہ بال جبریل ص ۵۷۳

۳۱ ایضا ص ۵۷۵

۳۲ ایضا ص ۵۵۰

۳۳ کلیات اقبال (فارسی) لاہور حصہ ارمغان حجاز ص ۸۶۹

۳۴ کلیات اقبال (فارسی) لاہور حصہ اسرار خودی ص ۷

۳۵ کلیات اقبال (فارسی) لاہور (دربیان اینکہ خودی از سوال ضعیف می گردد) حصہ اسرار خودی، ص ۳

۳۶ کلیات اقبال (فارسی) لاہور (در حقیقت شعر واصلاح ادبیات اسلامیہ) حصہ اسرار خودی ۳۶

۳۷ کلیات اقبال (فارسی) لاہور (دربیان اینکہ تربیت خودی راسہ مراحل است "مرحلہ سوم نیابت الہی") حصہ اسرار خودی: ص ۵۴

۳۸ کلیات اقبال (فارسی) لاہور حصہ اسرار خودی ص ۶۶

۳۹ کلیات اقبال (فارسی) لاہور (ارکان اساسی ملیہ اسلامیہ، رکن اول، توحید) حصہ اسرار بے خودی، ص ۲۹

۴۰ کلیات اقبال (فارسی) لاہور حصہ رموز بے خودی ص ۳۰

۴۱ کلیات اقبال (فارسی) لاہور اہرمن (طاسین زرتشت آزمایش کردن اہرمن زرتشت) حصہ جاوید نامہ ص ۳۶۷

۴۲ کلیات اقبال (فارسی) لاہور۔ خطاب بہ مہر عالم آفتاب حصہ پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق، ص ۸۰۶

۴۳ کلیات اقبال (فارسی) لاہور "مثنوی مسافر" حصہ پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق ص ۵۷

۴۴ کلیات اقبال (فارسی) لاہور حصہ جاوید نامہ ص ۹۲۶

۴۵ ایضا ص ۱۱۷

۴۶ کلیات اقبال (فارسی) لاہور حصہ پیام مشرق، لاہور ص ۶۴۳

۴۷ کلیات اقبال (فارسی) لاہور (حکیم آئن سٹائن) حصہ پیام مشرق ص ۹۶۳